عمر فاروقؓ روایات حدیث و تاریخ کی روشنی میں

'Umar (RA) as Portrayed in ╓ad┘ th and History

عبدالرؤف ظفر*

میمونہ تبسم**

Abstract

Born thirteen years after the year of the Elephant at Makka in the house of Kha══┐ b, 'Umar F┐ r┴ q (RA) secures a prominent place among those rulers of the world who earned great fame and dignity. His ancestral link meets with the Prophet's lineage at Ka'b bin Lu'ay. His daughter ╓ af╖ a (RA) got the sublime status of 'Umm al-Mu'min┘ n. After embracing Islam he served the new religion with utmost sincerety, strength and vigor. His services for the implementation of Islamic laws and justice can never be forgotten. This article presents some glimpses of his biography and services based on reports from ╒ ad┘ th and history.

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب القرشی العدوی [1] کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق ہے۔ اس لیے کہ آپؓ نے مکہ مکرمہ میں جب اسلام ظاہر کیا تو اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کے درمیان کھلی جدائی کر دی۔ آپ کا نسب نامہ کعب بن لوی بن غالب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ وقت کے نامور خلیفہ و سپہ سالار حضرت عمرؓ عام الفیل کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد خطاب بن نفیل اور دادا نفیل بن عبد العزیٰ ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس قریش کے لوگ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے آتے تھے۔ آپ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابو جہل کی بہن تھیں لیکن اکثر مؤرخین کے نزدیک وہ ہاشم یعنی ابو جہل بن ہشام کے چچا کی لڑکی تھی۔ [2] حضرت عمرؓ لمبے قد اور قوی جسم کے مالک تھے رنگ سرخی مائل گورا ہاتھوں اور پاؤں کی ہتھیلیاں موٹی تھیں رخسار، ناک اور آنکھیں نہایت خوبصورت گوشت سے بھرے ہوئے اعضاء نہایت ہی طاقتور تھے آپ کمزور اور بزدل نہ تھے۔ [3] آپؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ بچپن میں اونٹ چراتے اور لکڑیاں چنتے، عبد الرحمٰن بن حاطب اس کی تفصیل یوں بیان کر

* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

تے ہیں: ”میں ضجنان میں عمر بن خطاب کے ساتھ تھا، آپؓ نے مجھ سے کہا: میں اسی جگہ خطاب کے اونٹوں کو چراتا تھا، وہ بہت سخت تھے، میں کبھی اونٹ چراتا اور کبھی لکڑیاں چننے چلا جاتا“۔[4] چونکہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں یہ مرحلہ سختی کا تھا اس لیے آپ اسے مختلف اوقات میں یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حج کیا، جب ضجنان پہنچے تو کہا "لا إله إلا الله العلي العظيم" جسے جو چاہتا ہے دیتا ہے، میں اسی وادی میں اونی قمیص پہن کر خطاب کے اونٹوں کو چرایا کرتا تھا، وہ بہت سخت تھے، جب میں کام کرتا تو وہ میرے پیچھے لگے رہتے، اگر کوتاہی کرتا تو مارتے، میری حالت ایسی ہو گئی کہ میرے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں رہا۔ پھر آپؓ نے مثال بیان کی:

لا شيء مما ترى تبقى بشاشة يبقى الإله ويردى المال والولد

(جو کچھ تم دیکھ رہے ہو کسی کی بھی رونق باقی رہنے والی نہیں ہے، صرف اللہ باقی رہے گا، مال اور اولاد ختم ہو جائیں گے)۔

زمانہ جاہلیت میں آپ کی پوری زندگی ایسی نہ تھی کہ صرف جانور چرانے میں گزری ہو بلکہ جوانی میں کشتی لڑنے، گھڑ سواری کرنے اور گھڑ دوڑ کرنے اس کے علاوہ شعر و شاعری میں بھی دلچسپی تھی اور اس میں کمال حاصل کیا۔[5] آپ اپنی قوم کی تاریخ اور ان کے حالات میں دلچسپی لیتے۔ عرب کی بڑی تجارتی منڈیوں مثلاً عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں حاضر ہونے کے حریص ہوتے، اس سے آپ نے تجارت، عرب کی تاریخ اور قبیلوں میں ہونے والے جھگڑوں کے تفاخر اور منافرت کے واقعات و حوادث ادبی میراث کے طور پر تمام قبیلوں اور ان کے سرداروں کے درمیان پیش کیے جاتے تھے اور بڑے بڑے ادباء و ناقدین انہیں حفظ و تحریر میں لاتے تھے اسی چیز نے عربی تاریخ کا دائرہ وسیع اور ہمیشہ کے لیے اسے زندہ رکھا جس پر کبھی بھول کا پردہ نہ پڑا۔ بعض اوقات حادثات کی چنگاریاں اڑیں اور لڑائی کی شکل میں ظاہر ہوئیں بذات خود صرف عکاظ چار لڑائیوں کا براہ راست سبب بنا جنہیں حروب فجار کہا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ تجارت میں مشغول رہتے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اسی تجارت نے ان کو مکہ کے مالداروں میں شامل کر دیا۔ تجارت کی غرض سے مختلف بلاد و امصار کا سفر کیا اور جاہلیت کی مکی زندگی میں اپنا نمایاں مقام بنالیا اور بڑے زور و شور کے ساتھ اس کے معاملات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے بزرگ اجداد کی تاریخ نے آپ کی ہمت افزائی کی جب کہ آپ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس لوگ فیصلے لے کر آتے تھے۔ جب کہ آپ کے بڑے دادا کعب بن لؤی عربوں میں بلند مقام و مرتبہ والے اور صاحب حیثیت تھے مؤرخین نے آپ کی تاریخ وفات عام الفیل میں بتائی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے یہ اہم مقام اپنے آباء اجداد سے وراثت میں پایا تھا اسی مقام و مرتبہ نے ان کو تجربہ، عقلمندی اور

عربوں کی تاریخ کی معرفت سے نوازا۔ جب کہ آپ کی دانش مندی اور ذہانت کا کچھ کہنا ہی نہیں۔ عرب کے لوگ اپنے جھگڑوں کو ختم کرانے کے لیے آپ ہی کے پاس آتے۔[6]

قریش کی جو بھی رسم ورواج، عبادتیں اور نظام زندگی ہوتا اس کی طرف سے آپ دفاع کرتے آپ نہایت مخلص الطبع تھے کہ جس بات پر یقین کر لیتے اس کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ اسی یقین کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی ایام میں آپ نے اسلام کی پر زور مخالفت کی اور ان کے ذہن میں یہ خوف تھا کہ کہیں یہ دین ہمارے آبائی مذہب کو ختم نہ کردے۔ اسی وجہ سے آپ زمانہ جاہلیت میں ایک لونڈی کے اسلام قبول کر لینے پر اس کو اتنا مارتے رہے کہ آپ کے ہاتھ تھک گئے کوڑا ہاتھوں سے گر گیا تھک کر آپؓ رک گئے۔ ابو بکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا اور آپ نے انہیں لونڈی کو مارتے دیکھا تو اس کو اس سے خرید کر آزاد کر دیا۔[7]

حضرت عمرؓ کی تعلیم وتربیت خالصتاً جاہلیت کے ماحول میں ہوئی اور آپ کو جاہلیت کی حقیقت اور رسوم و رواج سے مکمل آگاہی حاصل تھی۔ اس کی وجہ سے اسلام کی شدید مخالفت کی لیکن جب اسلام قبول کیا اس کی خوبی وحقیقت کو پہچان لیا، ہدایت وگمراہی، ایمان و کفر اور حق وباطل کے درمیان حقیقی فرق سے واقف ہو گئے تو ایک بہت اہم بات کہی: "جب اسلام میں ایسے لوگ پروان چڑھنے لگیں جو جاہلیت سے ناواقف ہوں تو اسلام کی ایک ایک جڑ ٹوٹتی چلی جائے گی"[8]

آپؓ کے دل پر اسلام کی کرنیں اس وقت پڑیں جب آپ نے دیکھا کہ قریش کی عورتیں آپ اور آپ جیسے دیگر لوگوں کی بدسلوکیوں سے تنگ آکر اپنا ملک چھوڑ کر دور دوسرے ملک میں جارہی ہیں۔ اس وقت آپ کا دل نرم پڑ گیا، ضمیر نے آپ کی ملامت کی اور آپ نے ان پر اظہار غم کیا۔[9] اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد اور نبی ﷺ کی دعا کی وجہ سے آپ اسلام لے آئے، دعائے نبوی ﷺ ہی آپ کے قبول اسلام کا بنیادی سبب تھا۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی تھی:

> "اللهم أعز الإ سلام بأحب الرجلين إليک: بأبي جهل بن هشام أو بعمر بن الخطاب"[10]
>
> "اے اللہ! ابو جہل بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو غالب کردے"

آپ کے قبول اسلام کے بارے میں بہت سی روایتیں وارد ہیں، لیکن فن حدیث کے معیار کے مطابق ان کی اسناد کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نبوت کے چھٹے سال اور اپنی عمر کے 27ویں سال ذوالحجہ کے مہینے میں سیدنا حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین دن بعد مسلمان ہوئے

تھے۔ اس وقت مسلمان مردوں کی کل تعداد 39 تھی جو آپؓ کے مسلمان ہونے کے بعد 40 ہو گئی جبکہ عورتوں کی تعداد 11 تھی۔

متعدد روایات میں حضرت عمرؓ کی قرابت رسولؐ اور فضائل کا تذکرہ موجود ہے جن میں سے چند یہ ہیں:
بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی نبی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے پہلے کی امتوں میں الہام یافتہ لوگ ہوا کرتے تھے۔ پس اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ایسا ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے"۔[11] سنن الترمذی میں عقبہ بن عامر سے آنجناب ﷺ کا فرمان منقول ہے: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"[12] سنن الترمذی کی ہی حضرت حذیفہؓ کی روایت میں آپؐ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "تم میرے بعد ابو بکر و عمرؓ کی پیروی کرنا"[13] اور "عبد اللہ بن شقیق نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ اصحاب رسول میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو کون محبوب تھے تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ابو بکر۔ پوچھا پھر کون؟ ارشاد فرمایا کہ عمرؓ پھر عبیدہ بن الجراحؓ کا شمار کرایا اور اس کے بعد سکوت فرمایا"[14]

سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أبو بكر وعمر سيدا كحول أهل الجنة من الأولين والآخرين إلا النبيين والمرسلين لا تخبرهما يا علي ما داما حيين"[15]

"کہ ابو بکر و عمر اولین و آخرین جنتیوں کے سردار ہوں گے ماسوا نبیوں اور رسول کے لیکن اے علیؓ جب تک وہ دونوں زندہ ہیں ان کو اس بات کی خبر مت دینا"

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سنن الترمذی میں روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان میں سے ایک آپؐ کے دائیں اور دوسرے بائیں طرف تھے اور آپؐ نے ان دونوں حضرات کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"هكذا نبعث يوم القيامة"[16]

"کہ ہم قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے"

سنن الترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے مجمع میں تشریف لاتے جن میں ابو بکر و عمرؓ بھی بیٹھے ہوتے تو آپؐ کی طرف سوائے ابو بکرؓ و عمرؓ کے کوئی نظر نہیں اٹھاتا تھا"

"فإنهما كانا ينظران إليه وينظر إليهما، ويتبسمان إليه ويتبسم إليهما"[17]

"وہ دونوں آپؐ کی طرف اور آپ ان کو دیکھتے تھے وہ دونوں آپ کو دیکھ کر اور آپؐ ان کو دیکھ کر مسکراتے تھے"

عبداللہ بن حنطب کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے ابو بکرؓ و عمرؓ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

"ھٰذان السمع و البصر"[18]

"کہ یہ دونوں کان اور آنکھ ہیں"

سنن الترمذی میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کے دو آسمان پر اور دو زمین پر وزیر ہوتے ہیں۔ میرے اہل آسمان کے وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں جبکہ اہل زمین کے وزیر ابو بکر و عمرؓ ہیں"[19]

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

"آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ بلند درجات والے اپنے سے نیچے والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے آسمان کے کسی افق پر طلوع ہونے والا ستارہ دکھائی دیتا ہے اور ابو بکر و عمر ان میں سے ہیں اور سب سے بلند مرتبہ ہیں"[20]

المعجم الاوسط للطبرانی میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ابو بکر و عمرؓ کو فرمایا:

"الحمد للہ الذی أیدري بکما و لو لا أنکما تختلفان علی ما خالفتکما"[21]

"کہ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے میری تم دونوں کے ذریعے مدد کی اگر تم نے مجھ سے اختلاف نہ کیا تو میں بھی تم سے اختلاف نہ کروں گا"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أنا أول من تنشق عنه الأ رض، ثم أبو بکر، ثم عمر رضی اللہ عنہ ثم آ تي أهل البقیع فیحشرون معي ثم أنتظر أهل مکة حتی أحشر بین الحرمین"[22]

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ کی ہر ممکن کوشش رہی کہ زندگی کے شب و روز آپ ﷺ کی صحبت میں گزرے۔ اسی لیے ہر غزوہ میں عمر فاروقؓ آپ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں، اور دنیا کے دو وزیروں میں سے ایک وزیر کا شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے۔ اور سسر ہونے کے ناطے سے آپؓ کا تعلق اور مضبوط نظر آتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور عمرؓ کے درمیان والہانہ لگاؤ تھا اور استاد شاگرد کے درمیان منفرد نوعیت کی علمی فضا تیار کرنے میں ایسے ہی لگاؤ کا اہم کردار ہوتا ہے اور پھر نئی معلومات کی وجہ سے علمی و ثقافتی نتائج کی خوبیاں و بھلائیاں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کی، آپ ﷺ کے گرویدہ رہے اور خود کو آپ کے وجود اور آپ ﷺ کی دعوت کی نشر و اشاعت کے راستہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"[23] عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرؓ! (ایمان مکمل) نہیں، یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اب آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اب (ایمان مکمل ہوا) اے عمر"[24]

عمرؓ نے ایک دن آپ ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا"[25] تو عمرؓ نے فرمایا: "میں نے نہیں پسند کیا کہ دنیا کی کوئی چیز میرے نزدیک آپ ﷺ کے فرمان، اے میرے بھائی! سے زیادہ پسندیدہ ہو"[26]

یہ بلند اور پاکیزہ محبت ہی تھی جس کی وجہ سے عمرؓ تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور جنگی فنون میں تجربہ، مہارت اور فہم و بصیرت نیز انسانوں کی طبیعت اور احساسات کی گہری معرفت نے اس محبت میں چار چاند لگا دیے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مصاحبت اور آپؐ کے ساتھ کثرت گفتگو نے عمرؓ کو فصاحت و بلاغت، کلام میں روانی اور بات کرنے میں مختلف اسلوب عطا کیے۔

موافقت قرآنی

حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر تھے۔ آپ ﷺ سے کوئی نیا عمل صادر ہوتا دیکھتے تو اس کے متعلق سوال کرتے تھے۔ مکمل صداقت اور صاف گوئی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے۔ قرآن کریم کے مقاصد پر آپ کو عبور حاصل تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ بعض مواقع پر آپؐ کے نظریہ اور رائے کے مطابق قرآن کریم کا نزول ہوا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اگر آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں تو بہتر ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نازل کر دیا اور میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپؐ کے پاس نیک اور بد سبھی لوگ آتے ہیں لہٰذا آپ امہات المومنین کو پردہ کا حکم دے دیتے تو بہتر ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے پردہ سے متعلق آیات نازل فرما دیں۔[27] اسی طرح حضرت عمرؓ کا بیان ہے جب عبد اللہ بن اُبی کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا آپ تشریف لے گئے جب آپؐ نے نماز جنازہ پڑھانے کی نیت کی تو میں

آپؐ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ اللہ کے دشمن عبد اللہ بن اُبی پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ جس نے فلاں موقع پر ایسا ایسا کہا تھا اور فلاں وقت ایسا ایسا کہا تھا۔ میں اس کے برے کردار کو گنواتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے یہاں تک کہ جب میں نے آپ سے بہت کہہ ڈالا تو آپ نے فرمایا: "اے عمر! مجھ سے پیچھے ہٹ جاؤ مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے (مناسب عمل) اختیار کیا"۔[28] مجھے کہا گیا ہے ان کے لیے بخشش مانگ یا ان کیلئے بخشش نہ مانگ اگر تو ان کیلئے ستر بار بخشش کی دعا کرے گا تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" اگر میں جانتا کہ میرے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے پر وہ بخش دیا جائے گا تو میں اور زیادہ استغفار کرتا"۔ پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے پیچھے اس کی قبر تک گئے یہاں تک کہ اس کی تدفین سے فارغ ہو گئے۔ یہ منظر اور پھر آپؐ کے سامنے اپنی جرات دیکھ کر میں خود تعجب میں پڑ گیا۔ اللہ کی قسم ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔

"وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ"[29]

"ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کے قبر پر کھڑے ہوں"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی نہ اس کی قبر پر گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دے دی[30].

فتوحات

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت عراق میں جو فتوحات ہوئیں وہ مشرق میں پیش رفت کرنے والی اسلامی فتوحات کا پہلا مرحلہ تھیں۔ پھر جب سیدنا عمرؓ کا دور آیا تو آپؓ نے صدیقی منصوبہ بندی کو کئی مرحلوں سے گزار کر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپؓ کے دور میں ہونے والی اہم جنگوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ عراق و مشرق کی فتوحات: حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ان کے منصوبہ جات کو مکمل کرنے کے لیے عمر فاروقؓ نے ان کی بھیجی ہوئی افواج کو ہر سہولت مہیا کی۔ جس کے نتیجے میں وہ ہر طرف سے فتح کی خوشخبری کا پیغام لے کر آئے تھے۔

۲۔ معرکہ قادسیہ: آپؓ کی خلافت میں دوسرا بڑا معرکہ قادسیہ سے نام سے مشہور ہے، جو کہ ایرانیوں کے خلاف ہوا تھا۔ اس کا آغاز ۱۴ ہجری میں سعد بن ابی وقاصؓ کی امارت سے ہوا۔ اور نتیجتاً اسلامی فوج نے ایرانیوں کو شکست دی اور اسلام کا جھنڈا ان کے علاقوں میں بھی گاڑ دیا۔

۳۔ معرکہ نہاوند: امیر المومنینؓ کی خلافت میں سب سے بڑی جنگ یہی ہے، اور اسی کو فتح الفتوح بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں اسلام دشمنوں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار کے قریب تھی جبکہ اسلامی لشکر کی قیادت نعمان بن مقرن کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے علاوہ آپؓ کے دور میں مشرق، شام، مصر اور لیبیا کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ آپؓ کے دور خلافت میں ہونے والی جنگوں میں جن چیزوں کو سامنے رکھا گیا وہ یہ ہیں کہ بلند اخلاق کریمہ کو اپنایا گیا، راہبوں، عورتوں، بچوں اور معذوروں کے قتل سے بچا جائے۔ جنگ کے دوران کھیتوں کے برباد کرنے اور درختوں کو کاٹ ڈالنے کی ممانعت تھی وغیرہ۔

دورِ فاروقی میں گورنرز و عمّال کا انتخاب

سیدنا عمر فاروقؓ والیان ریاست کے انتخاب اور ان کی تقرری میں نبی کریم ﷺ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے تھے چنانچہ اس منصب پر انہی لوگوں کو فائز کرتے تھے جو باصلاحیت، امانت دار اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں سب سے بہتر ہوں تقرری کا مسئلہ ہو یا معزول کا دونوں میں خوب چھان بین کرتے تھے۔ عہدہ کے طالب کو ہر گز عہدہ نہ دیتے تھے۔ گورنروں کی تقرری کو ایک امانت سمجھتے تھے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عہدہ کیلئے وہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں جو اس کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہوں اگر بلا کسی معقول عذر کے باصلاحیت فرد کو چھوڑ کر اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کو مقرر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کے ساتھ خیانت ہے [31]. اسی طرح آپؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا اور اس نے کسی قرابت داری یا ذاتی محبت کی بناء پر کسی کو عہدہ دیا اس نے اللہ، اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔[32] گورنروں کی تقرری میں آپ کا ایک معیار تھا جس کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ قوت وطاقت اور امانت داری

سیدنا عمرؓ نے اس اصول کو عملاً نافذ کیا اور قوی فرد کے مقابلے میں اقویٰ فرد کو ترجیح دی چنانچہ آپؓ نے جب شرحبیل بن حسنہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ معاویہؓ کو گورنر بنایا تو شرحبیلؓ نے آپؓ سے دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے ناراض ہو کر مجھے معزول کیا ہے تو آپؓ نے جواب دیا نہیں بلکہ میں جس طرح چاہتا تھا تم ویسے ہی ہو، لیکن میں اس (اس منصب کیلئے آپ سے) قوی ترین آدمی کو چاہتا ہوں[33].

۲۔ تقرری میں علم کی اہمیت

سیدنا عمرؓ نے تمام مناصب بالخصوص اسلامی فوجوں کے امراء و قائدین کی تقرری میں سنت نبوی ﷺ کی اقتداء کی۔ بقول امام طبریؒ جب اسلامی فوج عمر فاروقؓ کے پاس جمع ہوئی تو آپ اس پر ایک عالم دین اور شرعی بصیرت رکھنے والے آدمی کو مقرر کر دیتے[34].

۳۔ تجربہ کاری اور بصیرت

حضرت عمرؓ سرکاری عہدوں کیلئے صاحب فضیلت افراد کو چھوڑ کر ایسے افراد کو افسر بناتے تھے جو تجربہ کار اور بصیرت کے حامل ہوں[35].

۴۔ دیہاتی اور شہری:

افسران کی تقرری کے وقت آپؓ بعض خصوصیات، طبائع، عادات اور عرف ورواج کو خاص طور پر پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ کی سیاست کا یہ پہلو مشہور ہے کہ بادیہ نشینوں کو شہریوں کا حاکم بنانے سے منع کرتے تھے۔[36]

۵۔ رعایا پر شفقت اور مہربانی:

آپؓ نے اپنے گورنروں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا "امام کی نرمی و بردباری سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی بردباری محبوب اور عام نہیں ہے اور اسی طرح حاکم کی جہالت و حماقت سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کے نزدیک مبغوض نہیں ہے۔ یاد رکھو! جو شخص اپنے ماتحتوں کے ساتھ عفو و درگزر اور شفقت و مہربانی کرتا ہے وہ اپنے بڑوں کی طرف سے بھی عافیت و مہربانی سے نوازا جاتا ہے۔

۶۔ قرابت داروں میں سے کسی کو حاکم نہ بنانا

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے ذاتی حیثیت یا قرابت داری کی بناء پر کسی کو حاکم بنایا اور اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ترجیح نہیں ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کی[37].

۷۔ گورنروں کو تجارت کرنے کی ممانعت:

سیدنا عمرؓ گورنروں اور افسروں کو تجارت و سوداگری سے منع کرتے تھے خواہ وہ خریدنے والے ہوں یا فروخت کرنے والے[38].

۸۔ افسران کی تقرری کے وقت ان کی جائیداد کی پڑتال

سیدنا عمرؓ گورنروں اور افسروں کی تقرری سے پہلے ان کے اموال اور ان کی جائیداد کی پڑتال کر لیتے تھے تاکہ عہدہ سنبھالنے کے بعد آمدنی سے غیر معقول پر ان کا محاسبہ کر سکیں اگر یہ محاسبہ کے وقت مال کی زیادتی کی وجہ بیان کرتے کہ یہ میری تجارت کی آمدنی ہے تو آپ اس کو قبول نہ کرتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ میں نے تمہیں گورنر بنا کر بھیجا ہے تاجر بنا کر نہیں بھیجا[39].

۹۔ والیانِ ریاست کی تقرری کیلئے مشورہ

آپؓ کے دور میں ممتاز بزرگ صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد گورنروں کا انتخاب اور تقرری ہوتی تھی[40].

۱۰۔ مقامی لوگوں کو گورنر بنانا

سیدنا عمر فاروقؓ کی سیاست کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ آپ عموماً مقامی لوگوں ہی کو رعایا کا گورنر مقرر کرتے تھے بشرطیکہ وہ گورنروں کیلئے زیادہ مناسب اور مصلحت کے موافق رہے ہوں جیسے جریر بن عبد اللہ بجلیؓ کو قوم بجیلہ کا اس وقت حاکم بنایا جب انہیں عراق روانہ کیا۔[41]

ازواج واولاد:

آپؓ نے مجموعی اعتبار سے زمانہ جاہلیت یا اسلام میں جو شادیاں کیں پھر وہ آپؓ کی وفات تک آپؓ کی عصمت میں رہیں یا آپؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ تو ان کی مجموعی تعداد سات ہے۔ اور اولاد کی تعداد کل ۱۳ ہے۔ جن کی تفصیل اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

آپؓ نے زمانہ جاہلیت میں زینب بنت مظعون سے شادی کی جن سے عبد اللہ ، عبد الرحمٰن اور حفصہ کی ولادت ہوئی اس کے بعد ملیکہ بنت جرول سے شادی کی جس سے ایک لڑکا عبید اللہ پیدا ہوا اور بعد میں اس کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی سے شادی کی بعد میں اس کو بھی طلاق دے دی اور عکرمہ بن ابی جہلؓ کے شام میں شہید ہونے کے بعد ان کی بیوہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام سے شادی کی جس سے فاطمہ کی پیدائش ہوئی بعض مؤرخین کے نزدیک ان کو بھی بعد میں طلاق دے دی۔[42]

آپؓ نے قبیلہ اوس کی جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی الافلح، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل اور نواسی رسول ام کلثومؓ سے شادی کی اسی طرح آپؓ نے ایک لیہبنامی ایک یمنی عورت سے شادی کی۔ بعض نے اس کو ام ولد کہا ہے۔[43]

وفات و مدت خلافت

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ پر ابو لولوء فیروز نے ذی الحجہ کی ۲۶ یا ۲۷ تاریخ بروز بدھ ۳۲ ہجری کو حملہ کیا اور اسی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے آپؓ نے یکم محرم کو جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ صہیب بن سنان نے آپؓ کا نماز جنازہ پڑھایا پھر ان کو نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ حجرہ عائشہ میں دفنایا گیا۔ آپؓ کی مدت خلافت دس سال، ٦ ماہ ہے۔[44]

حواشی و حوالہ جات

[1] ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ (دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء) ۱۰۲/۳۔

[2] سیوطی، جلال الدین عبد الرحمان بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء (دار صادر، بیروت، ۱۹۹۷ء) ص: ۱۳۳۔

[3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، اردو (نفیس اکیڈمی، کراچی) ۸۰۱/۳۔

[4] ایضاً، ۵۵/۳۔

[5] ایضاً، ۵۵/۳۔

[6] صلابی، علی محمد، ڈاکٹر، سیرت عمر فاروق، (دارالسلام، الریاض، ۲۰۱۰) ۳۵/۱

[7] ابن ہشام، عبد الملک، سیرت ابن ہشام (ادارہ اسلامیات، لاہور) ۵۰۲/۱۔

[8] صلابی، سیرت عمر فاروق، ۵۵/۱۔

[9] ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ۲۲۲/۱۔

[10] ایضاً، ۳۲۲/۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲۰۲/۳۔

[11] بخاری، الجامع الصحیح، ص:۳۹۴، حدیث نمبر: ۱۲۳۰۔

[12] ترمذی، السنن، ص:۹۰۲، حدیث نمبر: ۹۱۶۳۔

[13] ایضاً، ص:۲۰۷، حدیث نمبر:۵۹۵۳۔

[14] ایضاً، ص:۶۰۲، حدیث نمبر: ۰۹۵۳۔

[15] ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن (دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) ص:۱۰، حدیث نمبر:۲۹۔

[16] ترمذی، السنن، حدیث نمبر:۲۰۶۳۔

[17] ایضاً، ص:۸۰۲، حدیث نمبر: ۱۰۶۳۔

[18] ایضاً، ص:۸۰۲، حدیث نمبر:۴۰۶۳۔

[19] ایضاً، ص:۳۸۷، حدیث نمبر: ۰۸۶۳۔

[20] ابن ماجہ، السنن، ص:۰۱، حدیث نمبر: ۳۹۔

[21] طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (دارالحرمین، قاہرہ، ۱۴۱۵ھ) ۲۱۲/۷، حدیث نمبر:۷۲۹۹۔

[22] ترمذی، السنن، ص:۰۱۲، حدیث نمبر: ۱۷۵۰۔

[23] بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۵۱۔

[24] بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۲۳۶۶۔

[25] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (دارالسلام، الریاض، ۲۰۰۰ء) رقم الحدیث: ۸۹۴۱۔

[26] ابوداؤد، السنن، رقم الحدیث: ۸۹۴۱۔

[27] بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر:۳۱۲۴۔

28 ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، تفسیر ابن کثیر (امجد اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۲) ۳/۸۷۳۔

29 التوبہ: (۹)۴۸۔

30 مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۴۰۰۔

31 صلابی، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے (الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ، پاکستان) ص:۶۱۵۔

32 صلابی، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے، ص:۹۱۵۔

33 صلابی، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے، ص:۱۵۷۔

34 ظافر القاسمی، نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ الاسلامی (دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۷ء) ۲۸۴/۱۔

35 صلابی، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے، ص:۱۵۷۔

36 ظافر القاسمی، نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ الاسلامی، ۲۸۴/۱۔

37 الفتاویٰ، ۸۸۱/۸۲۔

38 الفتاویٰ، ۸۸۱/۸۲۔

39 ایضاً۔

40 نایف، الادب فی الاسلام فی عہد النبوۃ و خلافۃ الراشدین (دار النفائس، ۱۹۹۰ء) ص:۴۱۱۔

41 عبد العزیز ابراہیم العمری، الولایہ علی البلدان فی عصر الخلفاء الراشدین (دار عالم الکتب، الریاض ۱۴۰۹ھ) ۲۴۱/۱۔

42 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱۰۲/۳۔

43 شبلی، نعمانی، الفاروق، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ص:۵۹۳۔

44 صلابی، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے، ص: ۴۲۸۔